© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۲/۲۷، جولائی - دسمبر ۲۰۱۲ء

اداریہ

قرآن کا تصورِ علم

ظفر الاسلام اصلاحی

قرآن کریم اور علم میں جو گہرا تعلق ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اس کی ابتدائی آیات میں علم کے اکتساب اور اس کے تحفظ و فروغ کے سب سے موثر ذرائع (قراءت/ پڑھنے اور قلم) کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن کے مطابق اللہ رب العزت کی نگاہ میں ان لوگوں کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے جو علم کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِیْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ (المجادلہ/۱۱)

اللہ تم میں سے ان لوگوں کے درجات بلند فرمائے گا جو ایمان لائے اور جنھیں علم عطا کیا گیا۔

قرآن کی رو سے جو لوگ علم سے بے بہرہ ہیں ان لوگوں کے مقام تک کبھی نہیں پہنچ سکتے جو اس نعمت سے مشرف ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِیْ الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (الزمر/۹)

ان سے پوچھو کیا علم والے اور جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

قرآن نے ان لوگوں کو خیر کے خزانہ کا مالک قرار دیا ہے جنھیں حکمت و دانائی کی بات عطا کی گئی۔ فرمان الٰہی ہے:

وَمَن یُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِیَ خَیْراً كَثِیْراً وَمَا یَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُواْ الأَلْبَابِ۔ (البقرہ/۲۶۹)

اور جسے حکمت عطا ہوئی، اسے خیر کثیر کا خزانہ ملا۔ یاد دہانی تو وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم کی نسبت سے بنیادی نکتہ جسے قرآن کریم سب سے پہلے انسان کے ذہن میں نقش کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی عظیم نعمت یا عطیہ خداوندی ہے لہٰذا اسے حاصل کرتے ہوئے سب سے پہلے اس کا نام لیا جائے اور اسے یاد کیا جائے۔ یہ آیت اسی حقیقت کی طرف اشارہ کررہی ہے:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ. الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ (العلق/١-٥)

پڑھ اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو پیدا کیا خون کے ایک لوتھڑے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جسے وہ جانتا نہ تھا۔

قرآن میں مختلف مقامات پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہاں اور بہت ساری نعمتیں عطا کیں وہیں ان میں ایک نعمت یہ بھی ہے کہ اس نے انھیں ایسی قوتیں وصلاحیتیں بخشیں کہ جن سے کام لے کر وہ علم حاصل کرسکے اور اسے محفوظ رکھ سکے۔ انسان نے دنیا میں قدم رکھا تو اسے کچھ بھی علم نہیں تھا، پھر اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو استعمال کرکے اس قابل ہوگیا کہ وہ جان سکے، چیزوں کو پہچان سکے اور انھیں سمجھ سکے۔ اس آیت میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے:

وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ (النحل/٧٨)

اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کی شکم سے نکالا اس حالت میں کہ تم لوگ کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمھارے لیے کان، آنکھ اور دل بنانے تاکہ تم شکر ادا کرنے والے ہو جاؤ۔

اس آیت میں انسان کی توجہ خاص طور سے اس جانب مبذول کرائی گئی ہے کہ اللہ نے اسے پیدا کرنے کے ساتھ اسے سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں عطا کیں جو اس کے لیے علم کے حصول کا ذریعہ بننے والی ہیں۔ آیت کا آخری حصہ اسے یہ حقیقت یاد دلا رہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ وہ علم کو اللہ کی عظیم نعمت سمجھے اور منعم حقیقی کو یاد کر کے سراپا شکر و سپاس بن جائے۔

انسان ابتدائی مرحلہ میں زبانی طور پر کچھ کہہ کر یا بول کر علم حاصل کرتا ہے یا کسی چیز کے بارے میں معلومات اکٹھا کرتا ہے، اسی طرح اپنی قوتِ گویائی سے کام لے کر اپنے علم کو دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ سورہ رحمٰن (جو انعامات الٰہی کے تذکرہ کے لیے معروف ہے) کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خاص فضل قرار دیا کہ اس نے انسان کو پیدا کیا اور پھر اسے قوت گویائی عطا کی یا اپنی بات کو واضح کرنے کا طریقہ سکھایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ (الرحمٰن ۳/-۴)
اس نے انسان کو پیدا کیا، اسے گویائی سکھائی۔

یہاں یہ واضح رہے کہ ایک جانب قرآن نے علم کے حصول و فروغ کے لیے اللہ رب العزت کے مہیا کردہ ذرائع اور انسان کو بخشی گئی صلاحیتوں کو ذکر کر کے اسے یہ یاد دلایا کہ وہ ہر حال میں اپنا اور علم کا رشتہ ربِ کائنات سے جوڑے رکھے۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے کچھ مخصوص چیزوں کا جو علم عطا کیا ہے ان کی طرف متوجہ کر کے قرآن نے یہ درس دیا کہ ان سے فائدہ اٹھاتے وقت بھی اللہ کو یاد کرنا اور اس کا شکر بجالانا ضروری ہے۔ ان میں دینی عقاید و احکام الٰہی کا علم، انبیاء کرام کی زندگی کے سبق آموز واقعات اور ان کی تعلیمات کا علم، مختلف زمانوں میں فرماں بردار بندوں اور نافرمانوں کو اللہ کی جانب سے جزاء و سزا دیے جانے کے علم، قیامت، آخرت اور جنت و جہنم کے احوال اور دوسری غیب کی باتوں کا علم۔ چوں کہ ان تمام باتوں کے علم کا منبع قرآن حکیم ہے اس لیے انسان کو قرآن کا علم مرحمت کرنے کو اللہ رب العزت نے اپنی صفت رحمانیت کا فیض قرار دے کر اس علم کی اہمیت و افضلیت آشکارا کی، جیسا کہ اس آیت میں واضح فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ (الرحمٰن ۱/-۲)
خدائے رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔

مزید براں قرآن نے انسان کو یہ بھی یاد دلایا کہ اللہ رب العزت نے نبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخرالزماں ﷺ پر یہ کتاب ہدایت ورحمت نازل فرما کر علم وحکمت کا بیش بہا خزانہ عطا کیا اور اس کتاب کے وسیلہ سے انھیں ایسی چیزوں کے علم سے نوازا جن تک کسی اور ذریعہ سے رسائی ممکن نہیں تھی اور آپ ﷺ کے واسطہ سے پوری دنیا اس علم سے فیض یاب ہوئی۔ اس آیت میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

وَأَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيماً۔ (النساء/۱۱۳)

اور اللہ نے تم پر کتاب وحکمت نازل فرمائی اور تمھیں وہ چیز سکھائی جسے تم نہیں جانتے تھے اور یہ اللہ کا فضل (تم پر) بہت بڑا ہے۔

آیت کا آخری حصہ اس نکتہ کی جانب اشارہ کررہا ہے کہ قرآن کریم کا نزول اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ یہ انسانوں کے لیے رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہے اور اس میں علوم ومعارف کا ایسا عظیم الشان خزانہ دستیاب ہے کہ اس کی قدر وقیمت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان تمام تفصیلات سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ عام علم بھی اللہ کی نعمت ہے اور علم قرآن دنیائے علم کی عظیم ترین نعمت ہے۔ قرآن یہی تصور ذہن میں بٹھانا چاہتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر انسان کو یہ پیغام دیتا ہے کہ علم کا جو حصہ بھی اسے نصیب ہو اس پر سب سے پہلے پروردگار عالم کو یاد کرے اور زبان، قلب وعمل سے اس کا شکر ادا کرے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ علم میں برکت ہوگی بلکہ اسے صحیح رخ مل جائے گا جو اس کی نافعیت کو مزید بڑھادے گا۔

قرآن کے اس تصور علم پر اگر دھیان دیا جائے اور اسے دل ودماغ میں رچا بسا لیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ معرفتِ الٰہی کے حصول کی صورت میں ظاہر ہوگا یعنی یہ یقین مضبوط ہوگا کہ اللہ ہر چیز کا خالق ومالک ہے، بندوں پر اس کے فضل وکرم اور احسانات کی کوئی حد وانتہا نہیں۔ انھیں نہ معلوم کتنی چیزیں ان کے فائدہ کے لیے عطا کی ہیں۔ انھی میں سے علم ہے اور تحصیل واشاعتِ علوم کے وسائل بھی۔ انھیں بروئے کار لاکر صاحبِ علم اپنی زندگی کو سنوارتا ہے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاتا ہے۔ تصور علم کے اس پہلو پر مزید غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ قرآن کی رو سے طلب علم کا اولین بنیادی مقصد قادر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلق، علیم وخبیر، رب العالمین اور منعم حقیقی کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے مقام و مرتبہ کو پہچاننا اور اس کا حق ادا کرنا یعنی شکرالٰہی کی کیفیت سے لبریز ہو جانا اور اطاعت الٰہی کے جذبہ سے سرشار ہو جانا۔ حقیقت یہ کہ کسی کے صاحبِ علم ہونے کی پہلی علامت یہ ہے کہ اسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہو اور اس کا تعلق علم کی نعمت عطا کرنے والے سے مضبوط ہو جائے اور شکر گزاری اس کی روش بن جائے۔ اگر کوئی صاحبِ علم اس صفت سے عاری ہے تو وہ کھوکھلا سمجھا جائے گا چاہے وہ اپنے کو علوم وفنون کا کتنا بڑا ماہر کیوں نہ گردانے۔

قرآن کے تصور علم کا دوسرا پہلو اس کی ماہیت یا اس کی معنوی خوبی سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے علم وہی معتبر و قابل اعتماد ہے جس کی کوئی ٹھوس بنیاد ہو یا جس کی پشت پر کوئی محکم دلیل ہو۔ اس پر سب سے بڑی شہادت اس امر سے ملتی ہے کہ بعض آیات میں علم کو ثبوت یا دلیل کے ہم معنی استعمال کیا گیا ہے اور جس بات کا کوئی ثبوت نہ ہو اسے علم کے دائرہ سے خارج اور نری قیاس آرائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے متعلق نصاریٰ کے من گھڑت تصورات کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِيناً. بَل رَّفَعَهُ اللّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّهُ عَزِيزاً حَكِيماً۔ (النساء/۱۵۷-۱۵۸)

ان کو اس کے بارے میں کوئی (قطعی) علم نہیں ہے، پس گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہرگز انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غلبہ و حکمت والا ہے۔

مشرکین مکہ بلا کسی سند بعض جانوروں کے گوشت کو حرام قرار دیتے تھے اور اسے گذشتہ انبیاء کی شریعت سے منسوب کرتے تھے، قرآن نے ان سے یہ مطالبہ کیا:

نَبِّؤُونِي بِعِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ (الانعام/۱۴۳)

مجھے بتاؤ کسی علم (سند) کے ساتھ اگر تم سچ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں علم کو واضح طور پر سند یا ثبوت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری آیت میں ان سے یہ سوال کیا گیا ہے کہ اسلام کے برخلاف جو مذہبی عقاید و تصورات وہ بڑی ہٹ دھرمی سے پیش کر رہے ہیں ان کے پاس ان کا کوئی ثبوت ہو تو سامنے لائیں یہاں بھی قرآن اس کے لیے علم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ۔ (الانعام/۱۴۸)

ان سے پوچھو کیا تمھارے پاس کوئی علم (ثبوت) ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو۔ تم محض گمان پر چل رہے ہو اور نری قیاس آرائیاں کرتے ہو۔

مزید براں جو لوگ بلا کسی ثبوت اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتے رہتے ہیں قرآن انھیں علم سے عاری تصور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (الروم/۲۹)

بلکہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں نے بلا علم (دلیل) اپنی خواہشات کی پیروی کر رکھی ہے۔

ان تمام تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں کسی بات کے علم کے معیار تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دلائل وشواہد سے مستحکم ہو، اسی لیے قرآن کسی ایسی بات یا خبر کے اظہار سے منع کرتا ہے جس کی کوئی بنیاد نہ ہو یا جس کا علم صحیح ذرائع سے نہ حاصل ہوا ہو، اس لیے کہ وہ اس لائق نہیں کہ اسے علم کا درجہ دیا جائے اور اسے دوسروں تک منتقل کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولًا۔ (بنی اسرائیل/۳۶)

اور جس چیز کا تمھیں (صحیح) علم نہیں ہے اس کے درپہ نہ ہو، کیونکہ کان، آنکھ، دل ان میں سے ہر ایک چیز سے اس کی پرسش ہوگی۔

آیت کے آخری حصہ سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ ذرائعِ علم کو ٹھیک طور پر استعمال کرنے سے ہی صحیح علم حاصل ہو سکتا ہے اور اسے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ جو لوگ ان ذرائع سے صحیح طور پر کام نہیں لیتے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید براں علم کی صحت اور اسے دلیل سے مستحکم کرنے پر قرآن نے جو زور دیا ہے اس پر یہ امر بھی شاہد ہے کہ وہ ان چیزوں کے بارے میں بحث کرنے یا حجت کرنے سے منع کرتا ہے، جن کا صحیح علم نہیں ہے، یعنی اگر کسی معاملہ میں کسی سے بحث کی جائے یا اپنی بات کو پرزور انداز میں منوانے کی کوشش کی جائے تو ایسا اسی وقت کیا جائے جب کہ زیر بحث مسئلہ کے بارے میں اسے صحیح علم ہو یا اس کی کوئی ٹھوس بنیاد اس کے پاس موجود ہو۔ بلا دلیل یا ثبوت کسی مسئلہ کے بارے میں اظہار خیال کرنا یا اس پر بحث و مباحثہ کرنا قرآن کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ اس آیت سے یہی درس ملتا ہے:

فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (آل عمران/٦٦)

پس ان چیزوں کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے متعلق تمھیں کوئی علم نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

قرآن نے ان لوگوں پر سخت نکیر کی ہے جو بغیر کسی علم یا ٹھوس دلیل کے اللہ رب العزت کے بارے میں کٹ حجتی کرتے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ۔ (لقمان/٢٠)

اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو بلا علم یا بغیر کسی ہدایت و روشن کتاب کے اللہ کے بارے میں بحث و جدال کرتے ہیں۔

قرآن کے تصور علم کا تیسرا پہلو اس کی افادیت یا نافعیت سے تعلق رکھتا ہے۔ علم کی قدر و قیمت دراصل اس بات پر منحصر ہے کہ اسے اپنے لیے مفید بنایا جائے اور دوسروں کو بھی اس سے نفع پہنچایا جائے۔ نبی کریم ﷺ کی مسنون دعاؤں میں یہ دعا بہت مشہور ہے:

اللھم انی اسئالک علما نافعا ورزقا طیبا وعملا متقبلا (سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوات والسنۃ فیھا، باب ما یقال بعد التسلیم)

اے اللہ میں تجھ سے نفع بخش علم، پاک روزی اور مقبول بارگاہ ہونے والے علم کا طلب گار ہوں۔

قرآن کریم میں کسی چیز کی طلب یا حصول کے لیے ذریعہ و مقصد دونوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے۔ علم کی راہ میں اس سے بڑھ کر پاک مقصد اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ باعث افادیت بنے۔ علم کو نافع و کارآمد بنانے کی ترغیب و تشویق ان آیات سے ملتی ہے جن میں (جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا) علم کو عطیہ الٰہی، رحمتِ الٰہی کا مظہر اور فضل خداوندی قرار دیا گیا ہے۔ اس سے انسان کو یہ سبق سکھانا مقصود ہے کہ جو لوگ اس نعمت سے سرفراز ہو جائیں ان پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اس سے فیض پہنچائیں اور طالبین وشائقین علم کو موقع دیں کہ وہ ان کے علم سے فائدہ اٹھائیں۔ علم وحکمت کی نعمت عطا ہونے پر قرآن میں شکرِ خداوندی بجالانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اپنے علم کو دوسروں کے لیے فائدہ مند بنانا یا علم کی نعمت میں اللہ کے بندوں کو شریک کرنا اس پر شکر ادا کرنے کی ایک بہترین صورت ہے۔ مختلف آیات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے اس انداز میں خطاب کیا ہے کہ اللہ ہی نے تمھیں ان باتوں کا علم دیا جن سے تم ناواقف تھے، اسی نے تمھیں وہ چیزیں سکھائیں جن سے تم نابلد تھے۔ اسی نے تم سب کو وہ صلاحیتیں عطا کیں جن سے کام لے کر تم علم کے خزانہ تک پہنچ جاتے ہو، اس انداز بیان سے اہل علم کو یہ نکتہ ذہن نشیں کرانا مقصود ہے کہ اللہ رب العزت کی توفیق سے وہ علم کی دولت سے مالا مال ہوئے ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ کے ان بندوں کو اس سے مستفیض کریں جو اس سے محروم ہیں یا جو اس کے طالب بن کر ان کے پاس آئیں۔ قرآن کی یہ آیت اہل علم کو بھی دعوت فکر وعمل دے رہی ہے۔

وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ ۔ (القصص / ۷۷)

جس طرح اللہ نے تمھارے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تم بھی [دوسروں کے ساتھ] احسان کرو۔

بعض آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر علم و ہنر والوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ اپنے علم و ہنر سے دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔ قرض کے لین دین میں قرآن نے یہ ضابطہ وضع کیا ہے کہ معاملہ طے ہوتے وقت اسے لکھ لیا جائے یعنی اس کی تحریری دستاویز تیار کرلی جائے، اسی ضمن میں یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ جو لوگ لکھنا جانتے ہیں وہ آگے بڑھ کر اس کام میں تعاون دیں اور ہرگز لکھنے سے انکار نہ کریں۔ اسی کے ساتھ اس قیمتی نکتہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جس طرح اللہ نے انھیں یہ ہنر سکھایا ہے اور ان کے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح وہ دوسروں کو بھی محسنانہ تعاون دیں۔ آیت دین کے اس حصہ میں یہ تمام حقائق پوشیدہ ہیں:

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۔ (البقرہ/۲۸۲)	اور جسے لکھنا آتا ہو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح اللہ نے اسے (لکھنا) سکھایا ہے۔

یہاں ایک خاص سیاق میں فن تحریر سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسی پر دوسرے علوم وفنون کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے جن سے انسان بتوفیق الٰہی بہرہ ور ہوتا ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ قرآن کی نظر میں علم کی ترقی بہرحال مطلوب ہے۔ اس کے لیے دعا بھی تلقین کی گئی ہے۔ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماً ۔ (طہ/۱۱۴) (کہہ دو اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر)۔ علم کو ترقی دینے کی ایک معروف صورت یہ ہے کہ اسے دوسروں تک منتقل کیا جائے اور زبان وقلم و دوسرے ذرائع سے اس کی اشاعت کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس عمل سے بھی لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ کہ علم علم نافع اسی وقت کہلائے گا جب اسے اپنے اور دوسروں کے فائدہ کے لیے استعمال کیا جائے، علم کو ترقی اسی وقت نصیب ہوگی جب اسے خرچ کیا جائے یعنی دوسروں تک منتقل کیا جائے۔ تیسرے حدیث شریف میں اسی علم کو صدقہ جاریہ میں شامل کیا گیا ہے جو نفع بخش ثابت ہو۔ (علم ینتفع بہ / صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ)

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم وحدیث کی نظر میں علم نافع کی ہی قدر وقیمت ہے، علم حاصل کرلینا کافی نہیں ہے بلکہ اسے نفع بخش بنانا بھی مطلوب ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ کن علوم کی تحصیل قرآن کی نظر میں مطلوب ہے یا کون سے علوم قرآن کی رو سے نافع قرار پائیں گے اس سلسلہ میں بعض اشارے اوپر کیے جاچکے ہیں، یہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں باقاعدہ کوئی تحدید یا تخصیص قرآن میں نہیں ملتی لیکن اس کے مجموعی مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب ہدایت ان تمام علوم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے جو حاصل کرنے والے کی دینی و اخلاقی تربیت کا ذریعہ بن جائے، اس کی عملی زندگی میں کارآمد اور دوسروں کے لیے نفع بخش ثابت ہو، علوم کی نافعیت کے مختلف مدارج ہوسکتے ہیں، کچھ زیادہ نفع بخش ہوں گے اور کچھ اس سے کم ہوں گے، ظاہر ہے کہ وہ علم سب سے زیادہ مفید و افضل قرار پائے گا جو اللہ کے پسندیدہ طریقہ زندگی کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے اور انسان کو کامیابی کی راہ دکھانے والا ہے۔ قرآن نے اپنی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان میں اسے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ هَـٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْراً كَبِيراً ۔(بنی اسرائیل/۹)

حقیقت یہ کہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور ان اہل ایمان کو جو نیک عمل کرتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

هَـٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۔(الجاثیہ/۲۰)

یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب کے لیے اور ہدایت و رحمت ان لوگون کے لیے جو یقین لائیں۔

اسی خصوصیت کی وجہ سے علم قرآن کو اشرف العلوم کہا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں اس حقیقت کی بہترین ترجمانی ملتی ہے۔ افضلکم من تعلم القرآن وعلمه (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب من تعلم القرآن وعلمه) [تم میں افضل وہ ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا]۔

قرآن کریم کی مختلف آیات میں یہ ہدایات ملتی ہیں کہ لوگوں سے بھلی بات کہو، انھیں اچھی باتوں اور نیک عمل کی یاددہانی کرتے رہو، قرآن کے ذریعہ لوگوں کی تذکیر کرو، قرآن کے پیغام کو عام کرو۔ بلاشبہ ان ہدایات پر عمل ہر حال میں باعث خیر ہے لیکن ان پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل آوری اسی وقت ممکن ہوگی جب قرآن سے تعلق مضبوط کیا جائے، اس کے پیغام و احکام کو سمجھا جائے اور اس کا علم حاصل کیا جائے۔ بالفاظ دیگر علم قرآن میں مہارت اور اس کی اشاعت سے ان ہدایات پر عمل کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ علمِ قرآن کی طلب اور اس راہ میں تحقیق و جستجو کی بدولت بہت سے علوم و فنون کو توسیع و ترقی نصیب ہوئی۔ مزید براں قرآن حکیم سے مختلف سماجی و سائنسی علوم کے میدان میں بنیادی رہنمائی ملتی ہے۔ ان سب خصوصیات کی وجہ سے علم نافع کی حیثیت سے بلاشبہ علم قرآن کو سب سے بلند و برتر مقام حاصل ہے۔

علم قرآن کے بعد علم حدیث کی نافعیت ثابت شدہ ہے۔ قرآن کے بعد حدیث ہدایت کا دوسرا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی اطاعت کے فوراً بعد رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ مزید براں آپ ﷺ کی زندگی کو ساری انسانیت کے لیے بہترین اسوہ قرار دیا ہے (الاحزاب/۲۱) اور صاف صاف یہ ہدایت دی ہے کہ رسول ﷺ جو کچھ حکم دیں اسے قبول کرلو اور جس بات سے وہ منع کریں اس سے اجتناب کرو (الحشر/۷)۔ ان سب کے علاوہ حدیث کو اس لحاظ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے، اس کی مشکلات کو حل کرنے اور اس کے مختصرات کی تفصیل معلوم ہونے میں یہ سب سے زیادہ مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کا قول و عمل قرآن کی اولین تفسیر ہے۔ حدیث کی یہ حیثیت قرآن کی اس آیت سے بخوبی واضح ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ کو یہ ذمہ داری تفویض کی گئی ہے کہ آپ لوگوں کے لیے آیات قرآنی کی تشریح و توضیح فرمائیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۔ (النحل/۴۴)	اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کریں جو ان کے لیے اتاری گئی اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

مختصر یہ کہ حدیث ہدایت کا دوسرا منبع ہے، جو علم اس سے فیض یابی میں مدد دیتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوراس سے استفادہ کی راہ ہموار کرتا ہے وہ بھی یقیناً نافعیت کے ایک بلند مقام پر فائز ہے۔

ان سب کے علاوہ ایک اور خاص علم جس کے حصول کی ضرورت واہمیت قرآن نے واضح کی ہے وہ ہے دینی احکام وتعلیمات کے حقائق وحِکم اور مصالح ومقاصد کا علم جسے قرآن نے "تفقہ فی الدین" سے تعبیر کیا ہے۔ اسے سیدھے سادے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے: دین کی صحیح سمجھ بوجھ پیدا کرنا اور اس کی روح تک پہنچنا۔ قرآن کی ایک آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ امت کو کچھ ایسے افراد درکار ہیں جو تفقہ فی الدین سے متصف ہوں یعنی دین کی صحیح سمجھ اوراس کا پختہ شعور رکھتے ہوں تا کہ وہ لوگوں کو دین کے حقائق سے آگاہ کرسکیں اور دین کے خلاف جو باتیں نظر آئیں ان سے متنبہ کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَوۡلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرۡقَةٖ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٞ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوۡمَهُمۡ إِذَا رَجَعُوٓاْ إِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُونَ۔ (التوبۃ/۱۲۲)

مگر ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی آبادی کے حصہ میں سے کچھ لوگ نکل آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقہ کے باشندوں کو خبردار کرتے [تا کہ وہ غلط روش سے پرہیز کرتے]۔

اس آیت کے حوالہ سے تفقہ فی الدین کے مفہوم کے تعین میں مفسرین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے دین کی صحیح سمجھ مراد لیا ہے، یعنی قرآن کی رو سے مسلمانوں میں ایسے لوگ ضرور ہونے چاہیے جو دین کی صحیح سمجھ رکھتے ہوں اور انھیں یہ شعور حاصل ہو کہ کون سا منہج فکر اور کون سا طرز عمل دین کی اسپرٹ کے مطابق ہے۔ کچھ علماء نے تفقہ فی الدین کو وسیع معنی میں استعمال کرتے ہوئے اس میں قرآن کے معانی ونکات کو سمجھنا، احادیث کو سمجھنا اور قرآن وسنت سے جو احکام ومسائل نکلتے ہیں ان سب کا علم حاصل کرنا شامل کیا ہے اور انھوں نے اس جانب بھی توجہ دلائی ہے کہ قرآن نے تعلم کے بجائے تفقہ کا لفظ اس وجہ سے استعمال کیا ہے کہ علم دین کا محض پڑھ لینا کافی نہیں ہے وہ تو بہت سے غیر مسلم بھی پڑھ لیتے ہیں بلکہ علم دین کے حصول سے مراد دین کی سمجھ پیدا کرنا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم احکام شریعت سے گہری واقفیت یا علم فقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مہارت تک محدود رکھا ہے اور انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس آیت سے ماہرین فقہ یا فقہی بصیرت رکھنے والوں کی ضرورت واہمیت ظاہر ہوتی ہے، واقعہ یہ کہ تفقہ فی الدین علم کے ایک یا دو شعبہ میں مہارت سے عبارت نہیں بلکہ یہ مجموعی طور پر قرآن وحدیث پر گہری نظر وفقہی بصیرت کے ساتھ دل میں للٰہیت، خشیت الٰہی اور خلوص کے پرورش پانے کا نام ہے۔ یہ دین کی سمجھ کا نہایت بلند مرحلہ ہے اور اس تک وہی خوش نصیب پہنچتے ہیں جن پر اللہ رب العزت کا خصوصی فضل وکرم ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین)۔

اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے تفقہ فی الدین عطا کرتا ہے۔

تفقہ فی الدین دراصل تعلیمِ دین کا ماحصل یا مغز ہے جس سے اساسات دین میں فہم وبصیرت پیدا ہوتی ہے اور دین کی معنویت واس کے حقائق کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ علم کی ایک ایسی مخصوص واعلیٰ قسم ہے جو علم ظاہر وعلم باطن دونوں کو محیط ہے۔ اس سے بہرہ ور ہونے والے شخص کا دوسروں کے لیے باعث خیر ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

اِن علوم کے علاوہ اور کون سے علوم ہیں جو قرآن کی نظر میں نفع بخش کہے جاسکتے ہیں حقیقت یہ کہ اس سلسلہ میں (جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا) کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی۔ بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کی رو سے ہر وہ علم علم نافع کہلائے گا جو کسی بھی صورت میں علم حاصل کرنے والے کے لیے نفع بخش ثابت ہو اور دوسروں کے لیے بھی باعثِ افادیت بن سکے۔ انفرادی ضرورت اور اجتماعی فلاح و بہبود کے اعتبار سے علوم کے نفع بخش ہونے کی نوعیت میں فرق آسکتا ہے اور زمانہ کے مزاج کے لحاظ سے اس میں تبدیلی بھی ہوسکتی ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں انفرادی واجتماعی ضرورت کے تحت اگر اہل اسلام خاص کر مدینہ والوں کے لیے کتابت یا لکھنا سیکھنا زیادہ مفید تھا اور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو اس کی ترغیب دی اور کتابت سکھانے کا باقاعدہ اہتمام فرمایا تو جدید دور میں وقت کی ضرورت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لحاظ سے کمپیوٹر ٹائپنگ سیکھنے کی افادیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے یہودیوں سے رابطہ و مراسلت میں آسانی کے لیے یا اجتماعی ضرورت کے تحت حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کی ہدایت دی اور دوسرے صحابہ میں اس کی تحریک پیدا کی تو آج کے دور میں ذاتی ضروریات کی تکمیل اور دینی و ملی مفاد کے کاموں کے لیے انگریزی اور دوسری جدید زبانوں کا سیکھنا بلاشبہ نفع سے خالی نہیں۔

یہاں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ قرآن نے مختلف انداز میں انسان کو اپنے علم کو نفع بخش بنانے کی ترغیب دی ہے اور اصحاب علم و ہنر میں اس کے لیے تحریک پیدا کی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن میں یہ بیان کیا گیا ہے جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے اسے انسان کے فائدہ کے لیے پیدا کیا ہے (البقرہ/۲۹)۔ اسی طرح حیوانات، نباتات، جمادات اور بعض دوسری مخلوقات کے کچھ فوائد ظاہر کرکے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ ان میں اور بہت سے منافع ہیں (یونس/۱۵، النحل/۱۵-۱۶، المومنون/۲۱، یٰسین/۷۳، الحدید/۲۵)۔ یہ بات محتاج وضاحت نہیں کہ ان چیزوں کو قابل استعمال بنانا، ان کے ظاہری فوائد سے فیض یابی کی سہولتیں فراہم کرنا اور ان کے پوشیدہ نفع بخش پہلوؤں کا پتہ لگانا اور انھیں عملی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ ان چیزوں سے متعلق مطالعہ، مشاہدہ و تحقیق کے عمل کو آگے بڑھایا جائے اور اس کے بارے میں جو کچھ علم میسر ہے اسے حاصل کیا جائے اور ترقی دی جائے۔ ان تمام باتوں سے نہ صرف سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں تحقیقی کام کرنے کی ترغیب ملتی ہے بلکہ ان کے افادی پہلو کو سامنے لانے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ ان علوم کے ماہرین نے اللہ رب العزت کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر انسان کے فائدہ کے لیے ماضی میں جو چیزیں تیار کی ہیں اور وہ جدید دور میں جو نت نئی چیزیں تیار کررہے ہیں وہ بلاشبہ علم کو نفع بخش بنانا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات انسان ان کا بیجا استعمال کرکے انھیں اپنے لیے ضرر رساں بنادیتا ہے۔ یہ درحقیقت خالق کائنات کی ہدایات سے غفلت یا ان کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس طرح کسی علم یا اس کے نتائج کو نفع بخش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنانا ایک حد تک خود انسان کے رویہ و طرزِ عمل پر منحصر ہوتا ہے۔

قرآن نے علم کا جو تصور دیا ہے اس کی عظمت و رفعت ان خصوصیات سے بھی واضح ہوتی ہے جو اس کتاب مبین میں اہل علم سے منسوب کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے اہم یہ کہ ان کے قلوب خشیت الٰہی سے معمور ہوتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے تصور اور آخرت میں گرفت کے احساس سے لرزتے رہتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۔ (فاطر/۲۸)

حقیقت یہ کہ اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

اس آیت میں علماء سے مراد عام اہل علم ہیں یا اسلامی علوم کے ماہرین یا کوئی خاص صفت رکھنے والے اصحاب علم۔ مفسرین نے عام طور پر اس سے ان اہل علم کو مراد لیا ہے جنھیں اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، یعنی جس شخص کو اللہ کی قدرت، حکمت، علم، اختیار، عظمت و کبریائی اور دوسری صفات کا جتنا زیادہ علم ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ اللہ سے ڈرنے والا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں خشیت الٰہی کا تعلق معرفت الٰہی سے ہے نہ کہ روایتی یا اصطلاحی علمیت سے۔ اسی معرفت سے علم کو صحت، صداقت و صالحیت نصیب ہوتی ہے جو اس کا تعلق رب کائنات سے مضبوط کرتی ہے اور اسے انسانیت کے لیے باعث خیر بنا دیتی ہے۔ اس اعتبار سے اہل علم کی ایک مخصوص قسم تشکیل پاتی ہے جن کا امتیاز صفات الٰہی کا گہرا علم ہوتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ مروجہ علوم کے ماہر ہیں یا نھیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحیح علم کا منبع درحقیقت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوئی وہ علم سے بالکل محروم ہے گرچہ وہ دنیا جہان کی کتابیں حفظ کر ڈالے۔ اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس کو خدا کی معرفت حاصل ہے اس کے اندر لازماً خشیت بھی ہوگی۔ اگر کوئی شخص خدا کی خشیت سے محروم ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی معرفت سے بھی محروم ہے۔ یہی معرفت و خشیت انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تمام علوم وافکار میں حقیقی زندگی پیدا کرتی ہے جس سے علوم وفنون دنیا
کے لیے موجبِ خیر و برکت بنتے ہیں"۔ (تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی،
۱۹۸۹ء،۶/ ۳۷۷)

اس اقتباس سے اس خیال کی مزید تائید ہوتی ہے کہ قرآن کی رو سے اکتساب علم کا بنیادی مقصد معرفت الٰہی کا حصول ہے اور اس کا لازمی نتیجہ خشیت الٰہی کی کیفیت سے معمور ہونا ہے۔ مذکورہ آیت کے حوالہ سے متعدد مفسرین کی تشریحات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خشیت الٰہی سے متصف اہل علم کا اطلاق صرف ان لوگوں پر نہیں کیا جاسکتا جنھیں اصطلاحی معنوں میں علماءِ دین یا اسلامی وعربی علوم کا ماہر کہا جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن وحدیث کی تعلیم سے کسی کے اندر خشیت الٰہی کی صفت پیدا نہیں ہوتی تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ صحیح نہج پر اس کی تعلیم سے فیض یاب ہو رہا ہے یا اس تعلیم کے دوران اس نے صحیح معنوں میں ہدایت کے ان منابع سے سیرابی حاصل کی ہے۔ اس لیے کہ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ کسی کو قرآن وحدیث کی تعلیمات واحکام کا گہرا علم ہو اور اس پر خشیت الٰہی نہ طاری ہو۔ دوسرے صفات الٰہی کا بیان جس جامع انداز اور احسن طریقہ پر قرآن میں ملتا ہے کیا اس کی نظیر کہیں اور مل سکتی ہے۔ حقیقت یہ کہ قرآن کریم معرفت الٰہی کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے جیسا کہ اوپر بھی بیان کیا جاچکا ہے۔ اس لیے اس کتاب کے صحیح، سچ وگہرے علم سے خشیت الٰہی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے اہل علم کا دوسرا خاصہ یہ ہے کہ وہ عقل کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں، سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں اور قدرت کے عجائبات، فطرت کے مظاہر اور اللہ کی نشانیوں سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ قرآن میں ایک جگہ انسان کی مٹی سے تخلیق، ان کے جوڑے پیدا کرنا، ان کی زبان ورنگ میں اختلاف، بارش کا نزول ومردہ زمین کو زندہ کرنے اور حیات بعد الموت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی حکمتوں و مصلحتوں کو وہی لوگ سمجھیں گے جو علم رکھنے والے ہیں یا اس سے رہنمائی حاصل کرنے والے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إِنَّ فِيْ ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِيْنَ۔ (الروم/۲۲)

اس میں دراصل نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر سورج کو ضیا پاش اور چاند کو منور کرنے اور ان کے لیے منازل مقرر کرنے کی حکمت بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ۔ (یونس/۵)

وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کر رہا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم والے ہیں۔

اسی طرح سفر کے دوران تاریکی میں راستہ کی پہچان کے لیے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جو نشانیاں پیدا کی ہیں ان کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ۔ (الانعام/۹۷)

ہم نے اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول کھول بیان کردی ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

یعنی علم کا صحیح استعمال کرنے والے ان چیزوں کے فوائد کے ادراک کے علاوہ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ چیزیں مثلاً ستارے کسی خالق کے فرمان کے تابع ہیں۔ نہ یہ اپنے وجود میں مستقل ہیں اور نہ اپنے بقا و عمل میں۔ یہ اسی کے بنائے ہوئے قانون کے تحت انسان کی خدمت میں مصروف ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بنیادی عقاید کو ذہن نشیں کرانے اور اسلامی احکام و تعلیمات کی اہمیت و افادیت دلوں میں جاگزیں کرنے کے لیے بہت سی مثالیں بیان کی ہیں اور انبیاء و ان کی قوموں کے واقعات ذکر کیے ہیں۔ ان کے ضمن میں بھی یہ حقیقت آشکارا کی ہے کہ ان کو صحیح معنوں میں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں یا ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرسکتے ہیں جو علم رکھتے ہیں اور اپنے علم سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ:

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔ (العنکبوت/۴۳)

اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہوتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان تمام باتوں سے یہ ذہن نشیں کرانا مقصود ہے کہ انفس و آفاق میں قدرت کی نشانیاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، اللہ کی معرفت کے بہت سے دلائل و شواہد موجود ہیں اور اسلامی عقاید و احکام کی حقانیت و افادیت کے ثبوتوں کی کمی نہیں لیکن یہ انھیں لوگوں کے لیے عبرت پذیری و رہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں جو علم سے بہرہ ور ہیں اور اس کا صحیح استعمال کرنے والے ہیں۔

مزید براں قرآن مجید سے اہل علم کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے حقایق آجاتے ہیں، کسی عقیدہ یا نظریہ کی صداقت شواہد کی بنیاد پر واضح ہوجاتی ہے تو وہ اس کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے بلکہ آگے بڑھ کر ان کی حقانیت و صداقت کو تسلیم کرلیتے ہیں اور حق کے سامنے سرافگندہ ہوجاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر حق پر آمنّا و صدّقنا کہنا سچے اہل علم کی خاص روش ہوتی ہے۔ قرآن میں ایک جگہ اسلام کے عقاید و بنیادی تعلیمات کی حقانیت و صداقت واضح کرنے اور اس کے ثبوت میں دلائل و شواہد کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۔ (الحج ۵۴)

اور تا کہ وہ لوگ جنھیں علم عطا ہوا ہے اچھی طرح جان لیں کہ یہی تیرے رب کی جانب سے حق ہے، پس وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں۔

اہل علم کی ان خصوصیات کی نشان دہی کے ساتھ قرآن نے انھیں ایک قیمتی پیغام بھی دیا ہے۔ یہ ان آیات پر غور و فکر سے بین السطور ملتا ہے جن میں قرآن نے انسانی علم کی بابت اپنا نقطہ نظر واضح کیا ہے اور وہ ہے تواضع و انکسار اختیار کرنا۔ یہ وصف تو ہر شخص سے مطلوب ہے لیکن اہل علم کے سیاق میں اس کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ ان کا تعلق لوگوں کے اس مخصوص طبقہ سے ہے جن میں عُجب و تکبر کا پیدا ہونا ایک عام بات ہے۔ اس پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اپنے علم پر نازاں نہ ہوں، علم کے کسی بھی میدان میں اپنے کو کامل نہ سمجھیں، دوسروں پر اپنی علمی برتری نہ جتائیں اور نہ کسی کو علم کے باب میں حقیر و کم تر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصور کریں۔ دوسرے لفظوں میں تقریر و تحریر اور عمل و برتاؤ ہر معاملہ میں تواضع کا رویہ اختیار کریں۔ قرآن نے یہ پیغام مختلف انداز میں دیا ہے۔

اوپر متعدد آیات کے حوالہ سے قرآن کا یہ نقطہ نظر واضح کیا جاچکا ہے کہ علم عطیہ خداوندی ہے۔ انسان کو کچھ نہیں معلوم تھا اللہ نے اسے علم کی دولت سے نوازا، علم کے حصول وفروغ کے ذرائع اسے عطا کیے جنھیں استعمال کر کے وہ بتوفیق الٰہی اس لائق بن گیا کہ وہ علم حاصل کر کے دوسروں تک منتقل کر سکے۔ اللہ جب چاہے اس عطیہ کو واپس لے سکتا ہے اور اپنی قدرت کے اس کرشمہ کو دکھاتا رہتا ہے۔ بعض اوقات انسان علم کی ترقی کے تمام منازل طے کر کے پھر کم علمی یا عدم علم کی اس منزل میں پہنچ جاتا ہے جس میں وہ اپنی زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں تھا۔ خاص طور سے بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ کر وہ اس حالت میں ہو جاتا ہے۔ قرآن کی بعض آیات میں اس حقیقت کو بیان بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ۔ (النحل/۷۰)	تم میں سے بعض عمر کی بدترین حد کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں کہ جاننے کے بعد وہ کچھ نہ جانیں۔ بے شک اللہ علم اور قدرت والا ہے۔

اس سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ علم اور اس کی ترقی یہ سب کچھ اللہ کا عطیہ ہے۔ انسان کو بطور امانت یہ نعمت نصیب ہوتی ہے لہٰذا اس پر فخر وغرور کسی طرح مناسب نہیں ہے، بلکہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اللہ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتے ہوئے اپنی عاجزی، کم مائیگی اور کم علمی کا اعتراف کرنا چاہیے۔

دوسرے قرآن میں انسان کو اس کے علم کی محدودیت کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اسے علم کا بہت تھوڑا حصہ دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ (بنی اسرائیل/۸۵)	اور وہ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں علم کا محض تھوڑا حصہ دیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی انسان نہ تو ہر چیز کو جان سکتا ہے اور نہ ہر شئ کی کُنہ تک پہنچ سکتا ہے۔اس کا علم بہت ہی محدود ہے۔اس لیے اس کے لیے ہمہ دانی کا دعوی بے سود ہے۔یا یہ سمجھنا کہ اس نے علم کے فلاں شعبہ میں مہارت تامہ حاصل کرلیا یا کمال کی منزل کو پہنچ گیا حقیقت واقعہ کے خلاف ہے اور اپنی کم مائیگی کا اظہار کرنا قرآن کی رو سے عین مطلوب ہے۔

تیسرے قرآن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر علم والے سے بڑھ کر ایک علم والا ہے (وفوق کل ذی علم علیم۔(یوسف/۷۶)/اور ہر علم والے سے بالاتر ایک علم والا ہے) یعنی کوئی شخص علم کے میدان میں ہر لحاظ سے کمال کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ایک شخص علم قرآن کا ماہر ہے تو کوئی ضروری نہیں کہ اس کا علم قرآنی علوم کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ممکن ہے دوسرا اس میدان میں اس سے زیادہ مہارت رکھتا ہو، اسی طرح ایک شخص اسلامی علوم میں درک رکھتا ہے لیکن وہ سائنسی علوم سے بالکل نابلد ہے۔دوسرا سائنس کا ممتاز اسکالر ہے لیکن یہ عین ممکن ہے کہ اسے اسلامیات کی بالکل شُد بُد نہ ہو، مختصر یہ کہ ہر میدان میں ایک سے بڑھ کر ایک علم والا ہے۔دوسرے کسی مضمون میں ایک شخص کو مہارت حاصل ہے تو دوسرے میں اس کا علم ناقص ہے۔یعنی یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر شخص علم کے تمام شعبوں میں یکساں مہارت رکھتا ہو۔تیسرے یہ آیت سب سے بڑی جس حقیقت کی طرف اشارہ کررہی ہے وہ یہ کہ سب سے بڑا علیم وخبیر تو اللہ تعالیٰ ہے، اس سے بڑھ کر علم والا کون ہوسکتا ہے۔اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔اس ذات علیم وخبیر کے مقابلہ میں انسان کا علم ہیچ یا بہت ہی محدود ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انسان کو یہ حقیقت بار بار اس انداز میں یاددلائی ہے کہ اللہ جانتا ہے تم کچھ نہیں جانتے (واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ البقرہ/۲۱۶، ۲۳۲، آل عمران/۲۶) اس لیے انسان کا اپنے علم پر غرہ کرنا یا اپنی علمی برتری جتانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کا تصورعلم بہت سے امتیازات کا حامل ہے۔اس کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس نے علم اور صاحب علم کا رشتہ رب کائنات سے مرتبط کیا۔قرآن نے علم کو عطیہ الٰہی قرار دے کر انسان کو یہ ذہن نشیں کرایا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ رب العزت نے اسے حصولِ علم کے ذرائع عطا کیے، ان کے استعمال کا طریقہ سکھایا اور اسے ان چیزوں کا علم دیا جن سے وہ ناواقف تھا۔ اس طرح علم کے باب میں اللہ کا فضل و کرم یاد دلا کر انسان کو یہ درس دیا کہ وہ علم کے حصول اور اس سے فائدہ اٹھاتے وقت منعم حقیقی کو یاد کرے اور اس کا شکر بجالائے۔ قرآن نے علم کو نفع بخش بنانے پر زور دے کر حصول علم کے مقصد کو پاکیزگی و بلندی عطا کی اور اس کا تعلق انسانیت کی خدمت سے جوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علم قرآن کو خاص طور سے اپنی صفت رحمانیت کا مظہر قرار دے کر اس کی قدر و قیمت دوبالا کی، اس طرح اس کے سب سے زیادہ نفع بخش ہونے کا تصور سامنے آیا اس لیے کہ اس کا تعلق اس کتابِ عزیز سے ہے جس کا بنیادی وصف راہ مستقیم دکھانا اور اس پر چلنا آسان بنانا ہے اور انسان کے لیے اس راہ پر چلنے سے زیادہ نفع بخش اور کیا ہوسکتا ہے۔ مذکورہ مباحث سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں اہل علم کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے خاص طور سے ان اہل علم کا جن کا علم انھیں معرفت الٰہی سے ہم کنار کرتا ہے، ان میں خشیت و خداترسی کی صفت پروان چڑھاتا ہے، اللہ کی قدرت کے مظاہر اور اس کی نشانیوں سے عبرت حاصل کرنے میں ممد و معاون بنتا ہے اور ان سب کے علاوہ انھیں حق کی قبولیت اور حق بات کے اظہار پر آمادہ کرتا ہے۔ مزید براں قرآنی تصور کے مطابق انسان کا علم بہت محدود و ناپائیدار ہے، جو کچھ علم اسے میسر ہوا ہے وہ محض اللہ کے فضل و کرم سے اور اس کی جانب سے امانت کے طور پر۔ اس لیے کسی کے لیے اپنے علم پر فخر و غرور کرنے کا نہ تو کوئی جواز ہے اور نہ فائدہ۔ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح اس باب میں بھی تواضع و انکساری کی روش اختیار کرنا حکمِ الٰہی کی تعمیل کی سعادت حاصل کرنا ہے۔ آخری بات یہ کہ قرآن علم کی راہ میں تگ و دو اور اس کی ترقی کے لیے کوشش کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اللہ رب العزت سے رجوع کرنے کی تعلیم دیتا ہے اس لیے کہ اسی ذات رحیم و کریم کے فضل و کرم سے یہ نعمت نصیب ہوتی ہے اور اسی کی توفیق سے اسے ترقی بھی ملتی ہے۔ اللھم وفقنا بما تحب و ترضی۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com